استشراقی منہج تحقیق وتنقید

یاسر عرفات اعوان*

ABSTRACT:

Orientalism emerged as a discipline and produced massive literature on Islam and its different aspects. Orientalists claim that they have introduced and applied Scientific Research method and new research methodology in their research. According to them objectivity, honesty and impartiality are the main features of their methodology.Unfortunately their writings regarding Islam through all ages lack the mentioned features. Study of Orientalist's (of all times) produced literature about Islam have some common and apparent aspects in their research methodology. In this article those common aspects which may be called major principles while studying Islam and its different fields are being discussed and analyzed which has been deducted after thorough study of literature produced by Orientalism.

Keywords: Orientalism, Research Methodology, Islam, Impartiality, Europe.

دبستان استشراق کے تحقیقی منہج کا مطالعہ کرتے ہوئے تمام علمائے استشراق کو اکٹھا کر کے یہ کہنا مشکل ہے کہ ان سب کا منہج ہر دور میں اور تمام تحقیقی موضوعات میں ایک سا رہا ہے۔لیکن میادین اسلام میں استشراقی مطالعات کا جائزہ لینے سے قدیم وجدید مستشرقین کے بعض مشترک امور کی نشاندہی کرنا مشکل نہیں ہے۔حلقہ استشراق عموماً اس بات کا اعادہ کرتا دکھائی دیتا ہے کہ تحقیقی میادین میں اس کا منہج اعلیٰ علمی اقدار کا حامل ہے۔مستشرقین ابحاث وتحقیق میں معروضیت پسندی اور غیر جانبداری کو اصول کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔اسی طرح عقل ومنطق سے مستنبطہ اُصولوں کی روشنی میں تحقیقی موضوعات کو جانچا و پرکھا جاتا ہے اور اخذ نتائج میں علمی دیانت کا اہتمام کیا جاتا ہے لیکن حلقہء استشراق کا تخلیق کردہ ادب ان کے ان دعوؤں سے لگا نہیں کھاتا اسلام اور متعلقاتِ اسلام پر تحقیق کرتے ہوئے دبستان استشراق واضح طور پر تعصب اور جانبدارانہ رویوں سے مغلوب دکھائی دیتا ہے۔

علامہ محمد اسد اسی استشراقی رویے کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Europe may not accept the doctrines of Buddhist or Hindu philosophy, but it will always preserve a balanced, reflective

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد برقی پتا: awangcuf@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۵/۱۲/۵ء

attitude of mind with respect to those systems. As soon, however, as it turns towards Islam the balance is disturbed and an emotional bias creeps in."(۱)

علامہ اسد کے بقول مغرب شاید بودھ مت اور ہندو فلسفہ کو تسلیم نہ کرے لیکن وہ ان مذاہب کے متعلق متوازن اور قابل فہم رویہ اختیار کرتا ہے لیکن جب اسلام کا سوال آتا ہے تو مغربی ذہن کا توازن بگڑ جاتا ہے اس میں نفرت کے جذبات اور تعصّبات شامل ہو جاتے ہیں۔

مقالہ ہذا میں مستشرقین کے منہج تحقیق کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے میادین اسلامیہ کے حوالہ سے ان کے " اصول ہائے تحقیق" کی نشاندہی کی سعی اور ان کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اسلام اور متعلقاتِ اسلام کو دیگر ادیان و ملل اور تہذیبوں سے مستنبط و ماخوذ سمجھنا:

مستشرقین کی ایک بڑی تعداد اسلام کو نئے الہامی وآسمانی دین کے طور پر تسلیم نہیں کرتی بلکہ ان کی ساری تگ و دو اسلام کو ماقبل ادیان (خصوصاً یہودیت ونصرانیت) یا تہذیبوں سے اخذ شدہ دین ثابت کرنے تک محدود ہے۔استشراقی حلقوں میں امام کی حیثیت رکھنے والا فاضل مستشرق، پروفیسر گولڈزیہر لکھتا ہے:

"The Arab Prophet's message was an eclectic composite of religious ideas and regulations.The ideas were suggested to him by contacts ,which has stirred him deeply, with jewish,christian and other elements and they seemed to him suited to awaken an earnest religious mood among his fellow Arabs the regulations too were derieved from foreign sources,He recognized them as needed to institute life according to the will of God."(۲)

گولڈزیہر کے بقول مسلمانوں کے نبی نے مذہبی تصورات اور نظریات کا چناؤ کیا تھا جس میں یہودیت، مسیحیت اور بعض دیگر عناصر کا حصہ تھا۔اس کے بقول نبی کی تعلیمات واحکامات بھی بیرونی ماخذوں سے اخذ کی گئی تھیں۔

مسیحی اہل علم اپنے تئیں کوشاں دکھائی دیتے ہیں کہ اسلام کی کڑیاں مسیحیت سے جوڑ کر اسے ماخوذ دین ثابت کریں۔

معروف مسلمان محقق ڈاکٹر عمادالدین خلیل، جوادعلی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اکثر عیسائی مستشرقین کا تعلق دینی طبقہ سے ہے یا وہ دینی کالجز سے فارغ التحصیل ہیں اور وہ اسلام کے متعلقہ حساس موضوعات میں داخل ہوتے ہیں اور حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ ان موضوعات کو اصل نصرانیت کی طرف لوٹائیں۔(۳)

مسیحی مستشرقین اپنی ساری مساعی کے باوجود علمی وتحقیقی میادین میں اپنے اس دعوی کو ثابت نہیں کر سکے ہیں کہ اسلام کی اصل مسیحیت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب بنیادی مسئلہ یعنی عقیدہ توحید ہی میں تورات وانجیل

سے شدید اختلاف رکھتی ہے اور اسلام دیگر تمام ادیان کے مقابلے میں بھی منفرد تشخص کا حامل ہے۔ الہامی روایت کی کڑیاں ہونے کے اعتبار سے گو یہودیت، مسیحیت اور اسلام میں بعض امور میں مشابہت موجود ہے۔ اور شرائع ماقبل کو فقہ اسلامی کا ایک ماخذ بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں معیاری مقام نص قرآنی اور سنت ثابتہ کو حاصل ہے۔ جن کو مدنظر رکھ کر ماقبل کی تعلیمات شرعیہ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ استنادی حیثیت، روح، مقصدیت اور وسعت وجامعیت کے اعتبار سے اسلام اور اسلامی تعلیمات جملہ ادیان سے ممتاز ہیں۔ اور انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام دائروں میں رہنمائی کا دعویٰ کرتی ہیں۔

اسی طرح گولڈ زیہر فقہ اسلامی اور اس کے ارتقاء پر بیرونی اثرات (خصوصاً رومی قانون کے اثرات) کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے ایک عالمگیر حقیقت کے طور پر پیش کرتا ہے:

> "It is not astonishing that foreign cultural influences had an effect on the evolution of this legal method and on various details of its application. Islamic jurisprudence shows undeniable traces of the influence of Roman law ...."(۴)

> اس کے بقول یہ حیران کن امر نہیں ہے کہ بیرونی تہذیب وثقافت نے اسلامی قانون کے ارتقائی عمل کو متاثر کیا فقہ اسلامی پر رومی قانون کے ناقبل انکار اثرات موجود ہیں۔

فاضل مستشرق نے پورے تیقن سے اپنے دعوی کو پیش کیا ہے کہ اسلامی فقہ قانون روما کے ناقابل رد اثرات کی حامل ہے۔ لیکن اپنے دعوی کے حق میں ٹھوس شواہد پیش نہیں کیے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مختلف ادیان میں قواعد وضوابط اور قانونی امور میں بیرونی مماثلت اور مشابہت پائی جاسکتی ہے اور اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا جب تک کہ خارجی مماثلت کی تائید داخلی واندرونی عناصر اور تاریخی دستاویزات سے نہ ہو۔ بعض استشراقی محققین بھی اب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ دعویٰ درست نہیں۔ (۵)

مفروضات کو معروضی حقائق قرار دینا:

اسلامی میادین میں مستشرقین کے اسلوب تحقیق کا ایک مشترک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ عموماً آغاز بحث ہی میں مفروضات تحریر کرتے ہیں اور پھر انہیں مجرد اور معروضی حقیقت ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ مثلاً فقہ اسلامی اور اس کے آغاز وارتقاء کو موضوع تحقیق بنانے والا معروف مستشرق جوزف شاخت اپنی تصنیف کے آغاز ہی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حجیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> وہ قانونی امور میں حجت نہ تھے بلکہ ماننے والوں کے لیے ان کا مقام دینی ومذہبی تھا جبکہ عام آدمی کے لیے ان کا مرتبہ سیاسی نوعیت کا تھا۔ (۶)

مذکورہ رائے جوزف شاخت کا ذاتی مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔نص قرآنی کی متعدد آیات نبی آخرالزماں کی تشریعی حجیت پر دلالت کرتی ہیں۔اللہ تعالی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود قاضی کے منصب پر فائز فرمایا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ"۔(۷)

اس کے علاوہ بھی متعدد آیات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریعی حیثیت اور مقام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں شعبہ قضاء کی بنیاد رکھی اور بطور قاضی کئی معاملات کے فیصلے فرمائے صحابہ کرام اور تابعین نے ان فیصلوں کو محفوظ فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو میدان قضاۃ کے اصول اور قواعد سے روشناس کروایا اور بعض کو خود مختلف علاقوں میں قاضی بنا کر بھیجا۔اپنی کتاب کے تمہیدی صفحات میں شاخت لکھتا ہے کہ پہلی صدی کے ایک بڑے حصہ میں اصطلاحی معنوں میں فقہ اسلامی کا وجود ہی نہ تھا جو نبی کے عہد میں موجود تھی۔اسی طرح وہ لکھتا ہے کہ اس وقت فقہ اور قانون کے نام سے جو رائج تھا وہ دین کے دائرہ سے باہر کی چیز تھی۔پروفیسر شاخت نے لکھا ہے:

> "During the greater part of the first century, Islamic law, in the technical meaning of the term, did not as yet exist. As had been the case in the time of the Prophet, law as such fell outside the sphere of religion."(۸)

جوزف شاخت کی مذکورہ اصولی آراء حقیقت سے لگا نہیں کھاتیں اس لیے کہ شرعی قانون سازی کا سلسلہ دورِ نبوت سے جاری رہا۔آپ پہلے مفتی بھی تھے اور پہلے قاضی بھی۔علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ عہد رسالت کی فقہی وقانونی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان صحابہ کرام کے اسماء ذکر کیے ہیں جو ان سرگرمیوں کا حصہ تھے(۹)۔اسی پہلی صدی ہجری میں فقہ پر باضابطہ کتب لکھی جانے لگی تھیں۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے مختلف خطوط جو کئی قانونی امور کے حامل تھے وہ موجود تھے۔حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کے عدالتی فیصلوں کو یمن میں طاوس نے جمع کیا تھا۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی وراثت کے مسائل پر کتاب موجود تھی۔(۱۰)

طے شدہ نتائج کو مدنظر رکھ کر تحقیق کرنا:

مستشرقین، اسلام اور اس کی مبادیات وتفریعات کو موضوع تحقیق بناتے ہوئے نتائج پہلے سے طے کر لیتے ہیں اور مخصوص زاویہ نگاہ سے ان نتائج کے اثبات کے لیے دلائل تلاش کرتے ہیں۔ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب، حلقہ استشراق کے اسی تحقیقی قاعدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مستشرق اپنی بحث کا آغاز کرتا ہے تو اس کے سامنے ایک محدود مقصود، اور وہ نتیجہ جس تک اس نے پہنچنا ہے پہلے سے موجود ہوتا ہے بعد میں وہ صرف اسے ثابت کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں سے اس کی راہ اور اس کا احاطہ اپنے لوگوں کے مطابق ہوتا ہے۔(۱۱)

علامہ محمد اسد، مستشرقین کے اسی اسلوبِ تحقیق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"They hardly ever investigate facts with an open mind, but start, almost in every case, from a foregone conclusion dictated by prejudice. They select the evidence according to the conclusion they a priori intend to reach. Where an arbitrary selection of witnesses is impossible, they cut parts of the evidence of the available ones out of the context, or 'interpret' their statements in a spirit of unscientific malevolence, without attributing any weight to the presentation of the case by the other party, that is, the Muslim themselves."(۱۲)

علامہ اسد کہتے ہیں کہ وہ کھلے ذہن سے تاریخی حقائق کی تحقیقات نہیں کرتے بلکہ تقریباً ہر معاملہ میں وہ پہلے سے طے شدہ نتائج سے تحقیقات کی ابتداء کرتے ہیں وہ من مانے نتائج حاصل کرنے کے لیے ایسے شواہد ڈھونڈتے ہیں جو ان کے مددگار بن سکیں جہاں ایسے شواہد نہیں ملتے تو وہ بعض شواہد کو سیاق وسباق سے الگ کر کے اپنا کام نکالتے ہیں اور ان شواہد کو غیر سائنسی طور پر اور بددیانتی سے توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کا نتیجہ نکالتے ہیں وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس معاملہ میں دوسرے فریق یعنی مسلمانوں کا موقف کیا ہے۔

محمد اسد کے منقول الفاظ اسلام وشریعت اسلام کے بارے میں مستشرقین کے منہج تحقیق کی صحیح عکاسی کر رہے ہیں۔

احادیث نبوی کی صحت کے بارے میں ابہام وتشکیک:

شریعت اسلام کے دوسرے بنیادی مصدر حدیث رسول کی تدوین وتحفیظ اور انتقال کی عظیم مساعی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے مستشرقین ذخیرہ حدیث کو روایات موضوعہ کا ایک مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ وہ مستند منقول روایات سے ایسے اغماض برتتے ہیں گویا کہ ان کے نزدیک ان روایات کا وجود ہی نہیں ہے۔ احادیث کے بارے میں تحریر کرتے ہوئے جوزف شاخت لکھتا ہے:

''جہاں تک مذہبی قانون کا معاملہ ہے ان روایات میں مشکل سے ہی کوئی ایسی ہوگی جسے مستند قرار دیا جائے۔''(۱۳)

اس اصولی نقطہ نظر سے جب مصادر دین جیسے اساسی موضوعات کو موضوع بحث بنایا جائے گا تو علمی دیانت اور معروضیت پسندی جیسے دعووں کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔ عہد رسالت ہی میں احادیث اور خاص طور پر احکامی

احادیث کی حفاظت کی غیر معمولی مساعی کا آغاز ہوا اور علمائے حدیث نے بڑی جانفشانی سے مستند احادیث کا ذخیرہ مرتب کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فقہ و قانون سے متعلقہ امور تحریر کروائے مثلاً حافظ ابن عبدالبر نے روایت نقل کی ہے۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کے لیے صدقات، دیات، فرائض اور سنن کے متعلق ایک کتاب رقم کروائی تھی۔'' (۱۴)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ احادیث لکھا کرتے، صحیفہ صادقہ، صحیفہ علی، ابو شاہ کے لیے لکھوائے گئے فرامین، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف حکمرانوں کو لکھوائے خطوط اور متعدد صحابہ کرام کے ذاتی نسخہ ہائے حدیث کی موجودگی ان کے تمسک بالحدیث اور انکی مساعی تحفیظ حدیث کا واضح ثبوت ہے۔ علمائے امت نے زندگیاں کھپا کر علم حدیث کی آبیاری کی۔

تحریف:

اسلامی مباحث میں استشراقی منہج تحقیق کا ایک پہلو تحریف بھی ہے۔ مستشرقین اپنی آراء اور نظریات کے اثبات کے لیے نہ صرف محرف مواد پر انحصار کرتے ہیں بلکہ ضرورت پڑنے پر خود بھی تحریف کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب، حضرت زبیر بن عوامؓ کے بارے میں مشہور مستشرق ول ڈیورنٹ (Will Durant) کی روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ہم دوبارہ ول ڈیورانٹ کی طرف آتے ہیں تاکہ تہذیب کا قصہ نامی موسوعہ جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اس کے ہاں ایک اور مثال دیکھیں، وہ اس خوشحالی کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہتا ہے جو مسلمانوں کو فتوحات کے سبب حاصل ہوئی۔ زبیر بن عوام کے مختلف شہروں میں کئی گھر تھے اور وہ ایک ہزار گھوڑوں اور دس ہزار غلاموں کے مالک تھے (اس کے اپنے الفاظ میں) یہ خبر اپنی اس شکل وصورت اور اختصار میں کئی قسم کی تحریف کی جامع ہے۔ اس میں (اصل پر) اضافہ اور نقص دونوں ہیں اسی طرح اس میں تبدیلی بھی کی گئی ہے اس کی حقیقت کا بیان یوں ہے کہ مشہور اور معروف مصادر میں یہ بات اس طرح منقول ہے کہ زبیر کے ایک ہزار غلام تھے جو انہیں ہر روز کمائی کر کے دیتے تھے اور وہ اس آمدن میں سے اپنے گھر میں ایک درہم بھی نہ لے جاتے تھے بلکہ وہ سب صدقہ کر دیتے تھے۔ (۱۵)

مذکورہ تحریر میں تحریف کا بآسانی پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ مستشرق ول ڈیورنٹ نے ہزار گھوڑوں کا اضافہ اپنی طرف سے شامل کر دیا۔ اصل روایت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اسی طرح روایت کے انتہائی اہم جزو کا تذکرہ ہی نہیں کیا کہ

زبیر بن عوامؓ کے پاس آنے والے مال سے ایک درہم بھی ان کے گھر میں نہ جاتا تھا بلکہ سارا مال صدقہ کردیا جاتا تھا۔اسی طرح فاضل مستشرق نے غلاموں کی تعداد ایک ہزار سے بڑھا کر دس ہزار کر دی اور غلاموں کی تمام آمدنی کے صدقہ کرنے کو گول کر دیے گئے۔مذکورہ مثال سے حلقہ استشراق کی علمی دیانت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

شبہات کو جنم دینا:

مستشرقین کے منہج واسلوب تحقیق کے تنقیدی مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ وہ میادین اسلامیہ سے متعلقہ مباحث میں حقائق کی رونمائی کرنے کی بجائے شبہات پیدا کردیتے ہیں جس کی بنیاد وہ استشراقی ذہنیت ہے جو مجموعی اعتبار سے حلقہ استشراق پر غالب دکھائی دیتی ہے۔پروفیسر ڈنکن بلیک میکڈونلڈ،معروف مسلمان عالم علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ اجماع کے مصدر فقہ اسلامی ہونے کے بارے میں شک میں مبتلا تھے وہ لکھتا ہے:

> "Even on the principle of agreement (Ijma) he threw a shadow of doubt."(۱۶)

فاضل مستشرق اپنے اس قول کے حق میں کوئی ثبوت پیش نہیں کرتا علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے بارے میں میکڈونلڈ کی یہ رائے اصابت کی حامل نہیں ہے وہ اپنی اس رائے سے محض شبہ پیدا کرتا ہے مستشرقین کے تخلیق کردہ ادب میں ایسی بیسیوں مثالیں موجود ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے مستشرقین حقائق کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں اور شکوک وشبہات کو جنم دیکر اسلام کے بارے میں بدگمانی پیدا کرتے ہیں۔اورتو اور مستشرقین مسلمات میں بھی شکوک و شبہات پیدا کرنے سے باز نہیں آتے۔پیغمبر اسلام کے نام کے بارے میں بھی ابہام وتشکیک پیدا کرنے کی سعی کی گئی۔ڈاکٹر فتحی عثمان لکھتے ہیں:

> ”لقد غالوا فی کتاباتھم فی السیرۃ النبویۃ و أجھدوا أنفسھم فی إثارۃ الشکوک و قد أثار و الشک حتی فی اسم الرسول ولو تمکنوا لأثاروا الشک حتی فی وجودہ“(۱۷)

انہوں نے سیرت نبوی پر اپنی کتب میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور شکوک وشبہات پیدا کرنے میں اپنے آپ کو تھکاتے رہے انہوں نے ہر چیز حتی کہ آپ کے نام میں بھی شک کو ہوا دی اور اگر ممکن ہوتا تو وہ آپ کے وجود میں بھی شک پیدا کردیتے۔

غیر ثقہ یا ثانوی مصادر پر انحصار:

مستشرقین،اسلام اور اس سے متعلقہ مباحث میں ثقہ ومعتبر مصادر کی بجائے غیر ثقہ مآخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اسلامی موضوعات پر تحریر کرتے ہوئے مستشرقین اپنی فکریات کی اساس اصفہانی کی کتاب الاغانی پر بھی قائم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ ان مراجع پر بھی انحصار کرتے دکھائی دیتے ہیں جنہیں علمائے اسلام نے ضعیف یا مطعون ٹھہرایا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے ممتاز ہندی عالم سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں:

> ''وہ (مستشرقین) رطب ویابس معلومات (جن کا بعض اوقات موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا) دینی، تاریخی اور ادبی کتابوں بلکہ شعر وشاعری، قصوں کہانیوں، مسخروں کی خوش گپیوں اور طنز نگاروں کی نگارشات سے (خواہ وہ کتنی ہی سطحی اور بیہودہ ہوں) معلومات اخذ کرتے ہیں، پھر مکمل فنکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی بنیاد پر ایسے علمی نظریات قائم کرتے ہیں جن کا ان کے ذہن ودماغ کے علاوہ کہیں وجود نہیں پایا جاتا۔'' (۱۸)

حدیث وسنت اور فقہ اسلامی کے میادین میں حلقہ استشراق میں امام کا درجہ پانے والے معروف مستشرق جوزف شاخت، سنت نبوی کے بارے میں اپنی رائے کی تعمیر میں سارا انحصار فقہی مصادر پر کرتے ہیں اور کتب حدیث سے صرف نظر کرتے ہیں۔ ان کے مصادر میں علم مصطلح الحدیث، علم جرح وتعدیل اور کتاب العلل سے متعلقہ ایک بھی کتاب شامل نہیں ہے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ جو آدمی علم حدیث کے مصادر اصلیہ سے اغماض برتے اور اس کی کسی علم کے بارے میں آراء ونتائج کو علمی وحتمی حقائق تسلیم کرلیا جائے۔ مستشرقین ضعیف اور شاذ روایات پر بھی تحقیق کی عمارت تعمیر کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ جواد علی لکھتے ہیں:

> مستشرقین کئی دفعہ ضعیف حدیث کو لیتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے ہیں اور شاذ کا سہارا لیتے ہیں اگرچہ وہ متاخر ہی ہو یا اس قسم سے ہو جس کے بارے میں ناقدین اس کے شذوذ کا فیصلہ سنا چکے ہوں پھر بھی وہ اس کا قصد ضرور کرتے ہیں کیونکہ یہ شاذ تو شک پیدا کرنے کا واحد سہارا ہوتا ہے۔ (۱۹)

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام اور متعلقاتِ اسلام پر بحث وتحقیق کرتے ہوئے مستشرقین دیگر میادین میں طے کردہ اصول تحقیق کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور سائنسی طریقہ کار (Scientific Methodology) کے سارے اسالیب نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں کہ اسلام کا مطالعہ کرنے والے اس سے متنفر ہو جائیں اور خود مسلمانوں کے اذہان وقلوب میں تشکیک فروغ پائے۔ مستشرقین کے منہج تحقیق کے بعض لطیف پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''اکثر ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تاریخ اسلام کی کسی محبوب ومعظم شخصیت کی کسی ایک کمزوری کی نشاندہی کرتے ہیں اور قارئین کے دلوں میں اس کی جگہ بنانے کے لیے دس پندرہ فضائل ومحاسن

(جن کی صحیفہ اخلاق میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی) بڑی دریا دلی سے ذکر کرتے ہیں۔ نتیجۃً قاری ان کی کشادہ دلی اور سیر چشمی سے مرعوب اور ان کی انصاف پسندی سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس کمزوری کو (جو تمام فضائل ومحاسن پر پانی پھیر دیتی ہے) قبول کر لیتا ہے۔" (۲۰)

اسی طرح ایک اور پہلو کی نقاب کشائی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"یہ مستشرقین کسی دعوت وشخصیت کے ماحول، تاریخ اور طبعی اسباب ومحرکات کی ایسی مہارت اور چابک دستی سے تصویر کشی کرتے ہیں کہ یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ یہ دعوت یا شخصیت دراصل اسی ماحول اور انہیں محرکات کا قدرتی نتیجہ اور ان کا طبعی ردعمل تھا اور گویا کوہ آتش فشاں پھٹنے کے لیے تیار تھا۔ اس شخصیت نے صحیح وقت پہچان لیا، ایک چنگاری دکھائی اور وہ پھٹ پڑا۔ اس لئے قاری کا ذہن کسی غیر مادی سرچشمہ یا طاقت کی طرف جانے نہیں پاتا اور اس شخصیت یا دعوت کی عظمت یا اس کے ساتھ تائید الٰہی اور ارادہ غیبی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔" (۲۱)

مولانا علی میاںؒ کی مذکورہ سطور استشراق کے انتہائی حساس پہلوؤں پر عمدہ گرفت اور ان کے منہج تحقیق کا درست محاکمہ ہے۔ مستشرقین کی ذکر کردہ جملہ آراء علمی دیانت اور معروضیت پسندی سے محروم دکھائی دیتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ علمائے استشراق وحی الٰہی کی بالادستی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ عقل محض کو جملہ امور میں رہنما گردانتے ہیں۔ اسی طرح یہودیت ونصرانیت کے مصادر دین چونکہ تحریف کا شکار ہو چکے ہیں اور ان ادیان کے پاس آسمانی ہدایت اپنی اصل صورت میں محفوظ نہیں ہے اس لیے ان کی ساری توانائیاں مصادر اسلام کو ناقص اور مشکوک ثابت کرنے پر لگ رہی ہیں۔ دبستان استشراق کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد مریم جمیلہ اس کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"Orientalism is not a dispassionate, objective study of Islam and its culture by the Erudite faithful to the best traditions of scholarship to create profound, original research but nothing but an organized conspiracy to incite our youth to revolt against their faith, and scorn the entire legacy of Islamic history and culture as obsolete. The object is to create as much mischief as possible among the immature and gullible by sowing the seeds of doubt, cynicism and skepticism."(۲۲)

مریم جمیلہ استشراق کے منہج تحقیق پر تنقید کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ مستشرقین کا مطالعہ اسلام معروضیت پسندی سے محروم ہے۔ وہ استشراق کو باقاعدہ سازش قرار دیتی ہیں جس کا مقصد عالم اسلام کی نوجوان نسل کے اذہان میں تشکیک کے بیج بو کر انہیں اپنے دین کے بارے میں ایمان ویقین سے محروم کرنا اور اسلامی تہذیبی وثقافتی ورثہ کو متروک ثابت کرنا ہے۔

مستشرقین عموماً اپنی تصنیفات و علمی تحقیقات میں اس بات پر زور دیتے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ علمی اسلوب اور اصول ہائے بحث، دقت نظر، مآخذ و مراجع کی صحت و استناد کا اہتمام کرتے ہوئے نتائج اخذ کرتے ہیں۔لیکن علمائے استشراق کے تحقیقی ادب کا عمیق مطالعہ کرنے سے یہ دعویٰ درست معلوم نہیں ہوتا۔ان کی تحقیقات پر ان کے تعصب اور سیاسی و دینی مفادات کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> ''مستشرقین کے ایک بڑے طبقہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اسلامی شریعت، مسلمانوں کی تاریخ، اور تہذیب و تمدن میں کمزوریوں اور غلطیوں کی تلاش و جستجو میں وقت صرف کریں اور سیاسی و مذہبی اغراض کی خاطر رائی کا پربت بنائیں۔اس سلسلے میں ان کا رول بالکل اس شخص کی طرح ہے جس کو منظّم وخوشنما وخوش منظر شہر میں صرف سیور لائنز، نالیاں، گندگی اور گھورے نظر آئیں، جس طرح محکمہ صفائی کے انچارج (Drain Inspector) کا کسی کارپوریشن اور میونسپلٹی میں فریضہ منصبی ہوتا ہے کہ اس طرح کی رپورٹ پیش کرے۔وہ متعلقہ ڈپارٹمنٹ کو جو رپورٹ پیش کرتا ہے اس میں طبعی طور پر قارئین کو سوائے گندگیوں اور کوڑے کرکٹ کے تذکرہ کے عام طور پر کچھ نہیں ملتا۔'' (۲۳)

اسلامیات اور شعبہ ہائے اسلامیات کے متعلق تحقیقات کرتے ہوئے مستشرقین اپنے ماحول اور جذبات و رجحانات سے کنارہ کش نہیں ہو پاتے۔روحانی حقائق اور مابعدالطبیعاتی امور پر تحقیق کرتے ہوئے وہ عقلیت پسندانہ اسلوب اختیار کرتے ہیں اور مخصوص مادہ پرستانہ نظریاتی پس منظر سے بھی مغلوب دکھائی دیتے ہیں۔تنقید کے منصفانہ اصولوں کی پاسداری اور منطقی تجزیہ کے دعوے سے وہ میادین اسلام کو موضوع تحقیق بناتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عدل کا دامن تھامے دکھائی نہیں دیتے۔علمی مغالطے، شکوک کی تخم ریزی، مبالغہ، مبہم اصطلاحات کا استعمال اور مفروضات کو تاریخی و عالمگیر حقائق ثابت کرنا اور مباحث تحقیق میں تعارض و تضاد کی واضح جھلک دبستان استشراق کے جانبدارانہ رویہ کی نشاندہی کرتی ہے۔علمائے استشراق کی غالب اکثریت یہودیت یا نصرانیت کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔اس لیے جیسا کہ ماقبل ذکر کیا جا چکا ہے مستشرقین کی اجتماعی مساعی اسلام اور اسلامی قانون و تہذیب کے سرچشموں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اسلام کے حال سے بیزاری، ماضی سے بدگمانی اور مستقبل سے ناامیدی کو جنم دینا ہے۔علمائے استشراق کے منہج و اسلوب تحقیق کے مذکورہ پہلوؤں سے بھی یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کی جو تصویر وہ پیش کرتے ہیں وہ مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، مستشرقین کے معیارہائے نقد و تحقیق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''تری لو استعمل المسلمون معاییر النقد العلمی التی یستعملها المستشرقون

فی نقد القرآن و السنة و تاریخنا، فی نقد کتبهم المقدسة، و علومهم الموروثة، ما ذا یبقی لهذه الکتب المقدسة و العلوم التاریخیة عندهم من قوة؟ وما ذا یکون فیها من ثبوت؟"(۲۴)

ڈاکٹر سباعی لکھتے ہیں کہ علمی نقد کے جو معیارات علمائے استشراق نے قرآن وسنت اور ہماری تاریخ کے لیے استعمال کیے ہیں، انہیں اگر ان کی مقدس کتب اور علوم کے نقد کے لیے مسلمان استعمال کریں تو بتایئے کہ ان کی مقدس کتب اور تاریخی کتب اور تاریخ علوم میں کیا قوت ہوگی اور ان میں کون سا ثبوت ہوگا۔ استشراقی منہج تحقیق کے ذکر کردہ امور اسلام اور متعلقات اسلام کے بارے میں مستشرقین کے جانبدارانہ اور مبنی بر تعصب رویے کی عکاسی کرتے ہیں اور بعض مستشرقین کہ جنہوں نے اپنی تحقیقات میں حقیقت پسندی، انصاف اور اعتدال کا دامن تھامے رکھا ہے ان کی مساعی کو بھی فروتر بنا دیتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مستشرقین کے منہج و اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کے جملہ میادین کے بارے دبستان استشراق کے تخلیق کردہ ادب کا تنقیدی مطالعہ کیا جائے۔ اور تسامحات کی نشاندہی کر کے علم و تحقیق سے جڑے لوگوں کے سامنے حقائق پیش کیے جائیں۔

مراجع وحواشی

(۱) Asad, M. (1934). Islam At The Cross Roads. Lahore: Arfat Publications. p. 62

(۲) Goldziher, I. (1981). Introduction to Islamic Theology and Law. New Jersey: Princeton University Press

(۳) عمادالدین خلیل (ل۔ت)۔ دراسات تاریخیة۔ بیروت: دار ابن کثیر للطباعة والنشر والتوزیع۔ ص ۱۵۹

(۴) Goldziher, I. p.44

(۵) Fitzgerald, S.V. (1951). The alleged debt, of Islamic at Roman Law. *The law quarterly review*. 67(Jan 1951). p. 86

(۶) Schacht, J. (1982). An Introduction to Islamic Law. Oxford University Press. p. 11

(۷) سورة النساء۴: ۶۵

(۸) Schacht, J. p.19

(۹) ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیة۔ (۱۴۲۳)۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ الطبعة الأولی۔ المملکة العربیة السعودیة: دار ابن الجوزی۔ ۲/ ۱۴۔ ۴۲

(۱۰) Al-Azami, M. (2004). On Schacht's Origin of Muhammadan Jurisprudence. Lahore: Suhail Academy. p.24

(۱۱) عبدالعظیم محمود الدیب، الدکتور۔ (۱۴۱۱ھ)۔ المنہج فی کتابات الغربیین عن تاریخ الاسلامی۔ الطبعة الاولی۔ قطر: کتاب الامة۔ ص ۷۱

(۱۲) Asad, M. p. 63

(۱۳) Schacht, J. p. 34

(۱۴) عبد العظیم محمود الدیب، الدکتور۔ص ۱۱۵، ۱۱۶

(۱۵) ابن عبدالبر، الاندلسی۔ جامع بیان العلم وفضلہ (باب ذکر الرخصة فی کتاب العلم حدیث: ۳۹۲)۔ المملكة العربية السعودية: دار ابن الجوزی۔ص ۳۰۳

(۱۶) Macdonald, D. B. (1903). Development of Muslim Theology Jurisprudence and Constitutional Theory. New York: Charles Scribner's Sons. p.209

(۱۷) سید ابوالحسن علی الندوی۔(۱۹۹۲ء)۔ اسلامیات اور مغربی مستشرقین ومسلمان مصنفین۔ کراچی: مجلس نشریات اسلام۔ص۔۱۴، ۱۵

(۱۸) محمد فتحی عثمان۔(ل۔ت)۔ اضواء علی التاریخ الاسلامی۔ القاہرہ: دار النوادر۔ص ۶۹

(۱۹) جواد علی، دکتور۔(ل۔ت)۔ تاریخ العرب فی الاسلام۔ بیروت: دار الحداثة للطباعة والنشر والتوزیع۔ص ۸

(۲۰) سید ابوالحسن علی الندوی۔ص ۱۵

(۲۱) ایضاً

(۲۲) Jameelah, M. (1990). Islam and Orientalism. Second Ed. Lahore: Mohammad Yusuf Khan & Sons. p.166

(۲۳) سید ابوالحسن علی الندوی۔ص ۱۳، ۱۴

(۲۴) محمد مصطفیٰ السباعی، الدکتور۔(ل۔ت)۔ الاستشراق والمستشرقون۔ بیروت: دار الوراق۔ص ۴۵